(۲۳)

(فرمودہ ۱۶؍ مارچ ۱۹۳۵ء بمقام عید گاہ قادیان)

یہ عید تو اپنے نام سے ہی اپنے مفہوم کو واضح کردیتی ہے اور اپنی تشریح وتفسیر کے لئے کسی اور بیان کی محتاج نہیں۔ ہمارے ملک کے لوگوں نے بھی اردو میں اس کا نام عید قربانی رکھ کر اس کے مفہوم کو واضح کردیا ہے اور واقعہ میں یہ عید ایک ایسی قربانی پر دلالت کرتی ہے جس کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔

قربانی کی قیمت کو سمجھنے کے لئے یہ بڑا ضروری ہوتا ہے کہ معلوم کیا جائے قربانی کرنیوالے کا علم اور فہم کس مقام کا ہے۔ مثلاً ایک جاہل اور بیوقوف انسان جو اپنی قربانی کی حقیقت کو نہیں سمجھتا۔ اپنے بچہ کو شاہ دولہ[۱] کے نام پر وقف کردیتا ہے اور وہ بچہ ساری عمر کے لئے پاگل ہو جاتا ہے۔ بظاہر یہ اولاد کی قربانی ہے۔ مگر اس کی کوئی قیمت نہیں کیونکہ وہ شخص خود شاہ دولہ کے چوہوں جیسا دماغ رکھتا ہے۔ اگر اس کے دماغ میں عقل اور سمجھ ہوتی تو وہ ایسی حرکت کبھی نہ کرتا جس سے اُس کا بچہ ہمیشہ کے لئے علم اور عرفان سے محروم ہو جاتا۔ صرف سر چھوٹا ہونے سے عقل چھوٹی نہیں ہوتی اور نہ ہی بڑا سر لازمًا زیادہ عقلمندی پر دلالت کرتا ہے۔ بعض بڑے سر والے بیوقوف ہوتے ہیں۔ اور بعض چھوٹے سر والوں کی عقلیں بہت تیز ہوتی ہیں۔ افریقہ کے جنگلوں میں رہنے والا ایک قبیلہ ہاٹن ٹاٹ[۲] (HOTTENTOT) ہے ان لوگوں کے سر بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ دماغ کی بناوٹ کے بعض ماہرین نے شروع شروع میں اس امر پر تعجب کا اظہار کیا کہ ان میں عقل کیوں کم ہے لیکن آخر یہ نتیجہ نکالا کہ ان کے دماغ کی ہڈیاں موٹی ہیں اور مغز چھوٹا ہے۔

مجھے اپنے بچپن کی بات یاد ہے کہ ہماری والدہ صاحبہ کبھی ناراض ہو کر فرمایا کرتیں کہ اس کا سر بہت چھوٹا ہے تو مجھے یاد ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے یہ کوئی بات نہیں راٹیگن[۳] جو بہت مشہور وکیل تھا اور جس کی قابلیت کی دھوم سارے ملک میں تھی اس کا سر بھی بہت چھوٹا سا تھا۔ تو جو والدین اپنی اولاد کو شاہ دولہ کا چوہا بناتے ہیں ان کے بڑے سر اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ وہ بہت عقلمند ہیں۔ جو شخص اپنی اولاد کو علم اور عرفان سے محروم کرتا ہے اس کا سر اگرچہ بڑا ہی ہو تب بھی وہ بے عقل ہی ہے جس شخص کا اتنا دماغ ہی نہیں کہ سمجھ سکے۔ خدا اور رسول کیا ہے۔ قرآن کیا ہے۔ وہ عرفان کیا حاصل کرسکتا ہے۔ اور جو

۳؎ (RATTIGAN)

باپ اپنی اولاد کو اس عرفان سے محروم رکھتا ہے اس کا دماغ یقیناً شاہ دولہ کے چوہوں سے بھی چھوٹا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے شخص کی قربانی کی کیا قیمت ہوسکتی ہے کوئی شخص اگر کہے کہ اس نے اولاد کی قربانی کی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اولاد کی قربانی کی تھی تو ہم کہیں گے کہ یہ وہی بات ہے کہ کسی شخص نے کسی ماہر طبیب سے پوچھا تھا کہ آپ بھی علاج کرتے ہیں اور عطائی فقیر بھی۔ کچھ مریض آپ کے اچھے ہوجاتے ہیں اور کچھ مرجاتے ہیں اور کچھ ان کے اچھے ہوجاتے ہیں اور کچھ مرجاتے ہیں۔ پھر دونوں میں فرق کیا ہے؟ اس طبیب نے جواب دیا کہ میرے ہاتھ سے جو مرتا ہے وہ بھی علم کے ماتحت مرتا ہے اور ان کے ہاتھ سے جو بچ جاتا ہے وہ بھی جہالت سے بچ جاتا ہے۔ نادان طبیب سے جو شخص شفا پالیتا ہے، وہ علم سے نہیں بلکہ اتفاق سے پاتا ہے اور ماہر طبیب کے علاج کے بعد جو مرتا ہے وہ اس لئے مرتا ہے کہ سب علاجوں کے بعد بھی اللہ تعالےٰ نے موت کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ پس قربانی وہی قابلِ قبول ہوسکتی ہے جو سمجھ کر کی جائے۔ ایک انسان چلا جا رہا ہے کسی اور چیز پر کوئی فائر کر رہا تھا اور یہ اتفاقاً سامنے آجاتا اور اس طرح مرجاتا ہے تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس نے قربانی کی ہے قربانی وہی ہے جو علم اور سمجھ کے ماتحت کی جائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی ایسی ہی تھی۔ آپ نے جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو بیت اللہ کے پاس چھوڑا تو آپ جانتے تھے کہ یہاں کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ بچہ مریگا نہیں بلکہ اس کی اولاد ہوگی۔ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ بستی ہزاروں سال تک دوسری دنیا کی محتاج رہے گی اور اس میں کوئی چیز پیدا نہ ہوگی۔ یہ نہیں کہ آپ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو وہاں رکھ دیا اور سمجھ لیا کہ یہ مرجائے گا۔ یہ نہیں کہ آپ اپنی ذمہ داری کو نہیں سمجھتے تھے آپ نے اس وقت جو دعا کی۔ وہ واضح کرتی ہے کہ آپ جانتے تھے کہ آپ کس غرض سے انہیں وہاں چھوڑ رہے ہیں اور یہ کہ ان کی اور ان کی اولاد کی آئندہ زندگی کیسے دکھوں اور تکلیفوں میں گذرے گی۔ وہ وقتی جوش کے ماتحت یہ کام نہ کر رہے تھے اور نہ ہی اسے کوئی خیالی بات سمجھتے تھے۔ یہ ایک ایسی بات تھی جس کے تمام تعلقات پر انہوں نے اچھی طرح غور کر لیا تھا۔ آپ خوب سمجھتے تھے کہ اس کے اغراض کیا ہیں اور یہ کہ یہ خدا کے حکم کے ماتحت کیجا رہی ہے اور اسی لئے آپ کی قربانی بہت ممتاز ہے۔ ورنہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ شاہ دولہ کے لئے بچے کو وقف کرنے والے نے بھی بچہ کی قربانی کردی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کردی حالانکہ دونوں میں عظیم الشان فرق ہے۔ شاہ دولہ کے چوہے کے باپ نے اپنی اولاد کے احساسات کو مار دیا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں بلند کر دیا۔ اور حقیقی قربانی یہی ہے کہ انسان یہ سمجھ کر قربانی کرے کہ اس قربانی کے اثرات کیا نکلیں گے اور کتنے لمبے عرصہ تک رہیں گے۔ بعض لوگوں میں جس

نہیں ہوتی۔ کئی مریضوں کے متعلق سنا ہے کہ وہ کہتے ہیں کلوروفارم (CHLOROFORM) کی ضرورت نہیں یونہی اپریشن کر دیا جائے۔ ڈاکٹر بازو یا ٹانگ کاٹ رہا ہے اور وہ آرام سے بیٹھے ہیں۔ ڈاکٹر کا دل گھٹتا ہے مگر وہ کہتے ہیں کوئی حرج نہیں کاٹو۔ ایک شخص کے متعلق مجھے بتایا گیا ہے۔ اب تو ان کی اولاد احمدی ہے کشمیر کے قریب ان کی ایک ریاست تھی جسے راجہ کشمیر نے فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیا تھا۔ وہ بہت خوبصورت جوان تھے ایک دفعہ ان کا بازو ٹوٹ گیا۔ اس زمانہ میں کوئی اچھے ڈاکٹر نہ ہوتے تھے۔ کسی جوڑنے والے نے علاج کیا۔ ہڈی جڑ تو گئی مگر ذرا ٹیڑھی رہی۔ جوڑ سیدھا نہ بیٹھا۔ ایک دن وہ مہاراجہ گلاب سنگھ یا رنبیر سنگھ کے دربار میں بیٹھے تھے کہ مہاراجہ نے کہا۔ آپ نے ہمیں کیوں نہ بتایا ہمارا ہڈی جوڑنے والا ملازم جوڑتا تو ٹیڑھی نہ ہوتی۔ اب دیکھو کیسی بدنما معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے بازو کو گھٹنے کے ساتھ دبایا اور پھر ہڈی توڑ کر کہا کہ مہاراج اب اپنے جراحوں سے جڑوا دیجئے۔ راجہ یہ دیکھکر حیران رہ گیا کہ یہ عجیب آدمی ہے اور ایسے ایسی گھبراہٹ ہوئی کہ دربار چھوڑ کر چلا گیا۔ تو بعض لوگوں کے احساسات باطل ہوتے ہیں اور بعض کے زندہ اور اس لحاظ سے دونوں کی قربانی میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اور قربانی کی قیمت ان تمام باتوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ وہ بڑا درمند اور رقیق القلب تھا۔ اس لئے اس کے مقابلہ میں کسی سنگدل انسان کی قربانی کی کیا قیمت ہو سکتی ہے جب کوئی مرتا ہے تو اس کے بیسیوں رشتہ دار موجود ہوتے ہیں مگر لوگ افسوس کے لئے اس کے ماں باپ کے پاس ہی جاتے ہیں۔ دوسرے رشتہ داروں کے پاس نہیں جاتے۔ اس لئے کہ جذبات زیادہ تر تو ماں باپ میں ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کا نقصان زیادہ سمجھا جاتا ہے۔ تو قربانی کی قیمت جذبات، علم، فہم، عقل اور ارادہ کے ماتحت ہؤا کرتی ہے ارادہ نہ ہو تب بھی قربانی کی قیمت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ کسی پر کوئی فائر کر رہا ہے اور عین اس وقت ایک شخص سامنے آجاتا اور مر جاتا ہے، تو یہ اس کی قربانی نہیں کہلا سکتی۔ قربانی یہ ہے کہ کوئی ارادہ کے ساتھ دوسرے کے آگے ہو جائے۔ یہ عید کی قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسے وقت اور ایسے حالات میں کی ہے کہ انسان کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ بہترین اور اعلیٰ درجہ کی قربانی تھی اور اللہ تعالےٰ کے فعل نے اس کی قیمت بتا دی کہ ہمیشہ کے لئے اس دن قربانی مقرر کر دی۔ بظاہر یہ عجیب بات ہے کہ ایک موت ہے جس کے لئے ہم عید مناتے ہیں۔ یہ عید علامت ہے اس بات کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچے کو قربان کر دیا۔ لوگ پیدائش کی خوشیاں مناتے ہیں مگر ہمارا خدا ہمیں کہتا ہے کہ جاؤ موت کی خوشیاں مناؤ کیونکہ ابراہیم نے بیٹے کو قربان کر دیا۔

اس میں یہ سبق ہے کہ خدا کی راہ میں قربانی ہی حقیقی عزت ہوا کرتی ہے۔ اور حقیقی عزت میں قربانی ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے لئے قربانی کرنیوالا کبھی ناکام نہیں رہ سکتا اور جسے خدا تعالیٰ عزت دے اس کا مطلب یہ ہے کہ اب قربان ہو جاؤ۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض مسلمان جو منافق اور کمزور مسلمان تھے یہ احسان جتاتے تھے کہ ہم نے اسلام قبول کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ہمارا ان پر احسان ہے۔ کہ انہیں اسلام لانے کی توفیق دی۔ اور اس احسان کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کیا چاہتا ہے؟ یہی کہ جاؤ اور جا کر مر جاؤ۔ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے رستہ میں جانیں دیدو۔ یہ احسان کا بدلہ ہے۔ اسلام نے انعام کا نتیجہ قربانی رکھا ہے۔ جب تک قربانی نہیں انعام نہیں مل سکتا۔ اور جب انعام ملے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ قربانی کرو۔ پس خدا تعالیٰ سے کوئی شخص انعام نہیں پا سکتا جب تک کہ وہ قربانی نہ کرے۔ اور ہر انعام کے بعد اسلام امید کرتا ہے کہ پھر قربانی کی جائے۔ یہ ایک چکر ہے جو اسی طرح چلتا جاتا ہے۔ سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یعنی سب کام رحمانیت اور رحیمیت سے شروع ہوتے ہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ رحمانیت اور رحیمیت کا دور لاتا ہے۔ اسی طرح ہر انعام قربانی کا تقاضا کرتا ہے۔ اور ہر قربانی کا نتیجہ انعام ہے مشہور ہے کہ ایک بڑے بزرگ شبلیؒ گذرے ہیں۔ وہ اپنے زمانہ کے اسلامی بادشاہ کی طرف سے کسی علاقہ کے گورنر تھے۔ اور ایسے ظالم اور جابر گورنر تھے کہ ان کے متعلق یہ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ انہیں بھی کبھی ہدایت ہوگی وہ ایک دفعہ بادشاہ کے دربار میں حاضر تھے کہ کوئی جرنیل بہت بڑی فتح کے بعد حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اسے خلعت دیا۔ جو اُسے پہنایا گیا۔ اور سب نے اسے مبارکباد دی کہ بڑی عزت افزائی ہوئی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے اس جرنیل کو نزلہ کی شکایت تھی۔ درباریوں میں رواج ہوتا ہے کہ وہ رومال ساتھ رکھتے ہیں مگر وہ جلدی میں یا خوشی میں گھر سے رومال لانا بھول گیا تھا۔ چھینک آئی تو ناک سے رطوبت نکلی وہ بہت گھبرایا کہ اب کیا کروں۔ اس نے ذرا نظر بچا کر اسی خلعت کے دامن سے پونچھ لیا۔ اتفاق سے بادشاہ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اس نے حکم دیا کہ خلعت فوراً اتار لی جائے اور عہدے سے معزول کر دیا جائے کہ اس نے ہماری ہتک کی ہے۔ جو خلعت اسے عزت کے لئے دیا گیا تھا اس سے ناک پونچھ لی ہے۔

شبلی بھی اس وقت کوئی رپورٹ دینے کے لئے بادشاہ کے دربار میں حاضر تھے یہ حکم سُنکر ان کی چیخیں نکل گئیں اور گورنری کا پروانہ بادشاہ کے سامنے رکھ کر آپ نے کہا کہ میرا استعفیٰ

منظور کر لیا جائے۔ بادشاہ نے کہا کہ ناراض تو میں اس پر ہوا ہوں تم کیوں روتے اور استعفیٰ دے رہے ہو۔ شبلی نے کہا کہ اس پر آپ کی ناراضگی نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ اس شخص نے اپنی جان کو قربان کر کے آپ کے لئے ملک فتح کیا۔ وہ ہر روز اپنی بیوی کو بیوگی اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی جان کو ہلاکت کے خطرہ میں ڈالتا تھا۔ وہ ہر روز آپ کے لئے موت کے منہ میں جاتا اور اپنی جان کو موت کے لئے پیش کرتا تھا۔ مگر آپ نے اسے کپڑوں کا خلعت دیا جس کی بے حرمتی سے آپ اتنے ناراض ہوئے کہ اس کی سب خدمات کو نظر انداز کر دیا۔ لیکن میرے رب نے مجھے کتنے خلعت دیئے ہیں۔ ناک، مونہہ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اور میں انہیں روز خراب کرتا ہوں۔ شبلی گورنری کے زمانہ میں اتنے ظالم اور جابر تھے۔ کہ اس کے بعد وہ جس بزرگ کے پاس بھی گئے کہ اس کے ہاتھ پر توبہ کریں اس نے یہ کہکر واپس کر دیا کہ تمہاری توبہ نہیں قبول ہو سکتی۔ آخر وہ حضرت جنیدؒ کے پاس پہنچے جنہیں ابوالصوفیا کہا جاتا ہے[۱۱] اور کہا کہ میں توبہ کرنا چاہتا ہوں مگر سب کہتے ہیں کہ میری توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔ حضرت جنید نے فرمایا کہ جھوٹ کہتے ہیں۔ خدا سب کی توبہ قبول کرتا ہے مگر ایک شرط تمہارے واسطے یہ ہے کہ اپنے دارالحکومت میں جاؤ اور ہر دروازہ پر دستک دیکر مکینوں سے معافی مانگو۔ چنانچہ جہاں ایک عرصہ تک گورنری کرتے رہے تھے وہاں گئے اور ہر گھر سے معافی لی[۱۲]۔ پھر آکر بیعت کی اور ایسی سچی توبہ کی کہ آج وہ بھی جنید کی طرح ہی مشہور ہیں بلکہ عوام میں شبلی زیادہ مشہور ہیں۔ یہ وہی شبلی ہیں کہ منصور[۱۳] کو جب دار پر چڑھایا گیا اور لوگ پتھر مارنے لگے تو انہوں نے بھی ایک پھول اٹھا کر مارا۔ آپ کا مطلب غالباً یہ تھا کہ خدا کی راہ میں پڑنے والے پتھر در اصل پھول ہوتے ہیں مگر منصور نے اس بات کو نہ سمجھا اور خیال کیا کہ شبلی نے بھی لوگوں کو دیکھکر پتھر کے بجائے مجھے پھول مار دیا تا لوگ سمجھیں کہ یہ بھی مار رہا ہے۔ اس پر منصور رو پڑے اور کہا کہ عوام کے پتھر مجھے نہیں لگتے مگر شبلی کا پھول بہت سخت لگا ہے[۱۴]۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ ہر انعام کے لئے قربانی ضروری ہے بادشاہ نے اس جرنیل کو انعام دیا تھا اور اس سے یہ قربانی چاہی تھی کہ اس کی عزت کرے اور اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر اسے بچائے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ایک دفعہ ایک تلوار نکالی اور فرمایا یہ میں اس شخص کو دونگا جو اس کا حق ادا کرے۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے دیجئے۔ چنانچہ اسے دی گئی اور وہ جب شہید ہوا تو صحابہ کا بیان ہے کہ اس کے جسم کے ستر ٹکڑے تھے۔ اور وہ دشمنوں کے لئے ایک آفت بنا رہا تھا جہاں بھی کوئی خطرہ پیدا ہوا وہ فوراً پہنچا۔ ایک بازو کٹ گیا تو دوسرے میں تلوار پکڑ کر چلاتا رہا وہ کٹ گیا تو منہ میں لیکر چلاتا رہا۔ پس اللہ تعالےٰ کی طرف سے جو انعام آتے ہیں وہ ہمیشہ قربانی کا تقاضا کرتے ہیں وہ

انعام دنیوی حکومتوں کی طرف سے نہیں ہوتے کہ کسی کونشن پر بھیجنے لگے تو کپتان بنا دیا۔ اس کپتان کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ جاؤ اور لڑو۔ بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ جاؤ آرام سے گھر میں بیٹھو لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انعام آتے ہیں وہ جسم، روح، دل، دماغ غرضیکہ ہر چیز کی قربانی چاہتے ہیں اور جب تک انسان سب کچھ اس کے سامنے نہیں ڈال دیتا۔ اور اپنے آپ کو معدوم کرنے کی کوشش نہیں کرتا اس وقت تک اللہ تعالیٰ یہ نہیں سمجھتا کہ اس نے انعام کا بدلہ دیدیا ہے۔

مجھے اس مضمون کی طرف ایک رؤیا سے بھی تحریک ہوئی ہے۔ جو چند روز ہوئے میں نے دیکھا تھا میں نے دیکھا کہ کوئی شخص باہر سے آیا ہے اور اس کی بیوی اور ملازم بھی ساتھ ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی آسودہ حال آدمی ہے۔ بعض مسائل پوچھتا اور اس کے بعد اطمینان حاصل کر کے سلسلہ میں داخل ہونا چاہتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے وہ کچھ باتیں مجھ سے یا سلسلہ کے علماء کے ساتھ کر چکا ہے میں نے اسے بڑے کمرے میں جہاں میں ملاقاتیں کرتا ہوں بٹھایا اور جیسا کہ میرا قاعدہ ہے کہ سوائے اس وقت کے کہ ملنے والے پتلون وغیرہ پہنے ہوں فرش پر ہی بیٹھتا ہوں اس وقت بھی فرش پر ہی بیٹھا ہوں۔ ان کے دو ملازم آئے اور کوچ پر بیٹھ گئے ہیں اس کے بعد ان کی بیوی بھی آگئی جو مصری یا شامی آزاد تعلیم یافتہ عورتوں کی طرح سیاہ رنگ کا برقعہ اوڑھے ہے جس میں منہ ناک آنکھیں ننگی ہیں، سر بال اور گردن وغیرہ ڈھکی ہوئی ہے۔ پھر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرد پورے طور پر سمجھ چکا ہے اور عورت سمجھنا چاہتی ہے وہ آدمی کہتا ہے کہ میری بیوی بھی سوال کرنا چاہتی ہے۔ اور اس کی خواہش ہے کہ اُسے روحانی ترقی کے گُر بتائے جائیں۔ تصوّف کی طرف اس کا میلان معلوم ہوتا ہے۔ اور صوفیاء کا جیسا قاعدہ ہے کہ وہ بعض اصطلاحات بولتے ہیں۔ مثلاً مومن کو پرندہ کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت نے بھی کوئی ایسی اصطلاحیں بنائی ہیں۔ اس کا خاوند میرے کان میں کہتا ہے کہ اس کی خواہش ہے میں روحانی پٹواری بن جاؤں۔ چونکہ میں سمجھ گیا ہوں کہ اس کا میلان تصوّف کی طرف ہے اس لئے اس لفظ کے سننے سے مجھے تعجب نہیں ہوتا اور میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح پٹواری زمینوں کی پیمائش کرتا ہے، لوگوں کے حقوق کی نگرانی کرتا ہے، مالیہ مقرر کرتا ہے اسی طرح اس کی خواہش ہے کہ میں ایسے مقام پر پہنچ جاؤں کہ دوسروں کی نگران ہو جاؤں اور میں یہی مفہوم سمجھتا ہوں۔ عورت چونکہ کچھ فاصلہ پر ہے وہ بھی ذرا اونچی آواز سے کہتی ہے کہ میں چاہتی ہوں۔ میں پٹواری بن جاؤں اس پر اس کا خاوند جھک کر کہتا ہے کہ پیچھے جیون خاں بیٹھا ہے، یہ لفظ نہ بولو۔ گویا ان دو نوکروں میں سے ایک جو میری پشت کی طرف بیٹھا ہے جیون خاں ہے۔ دوسرا نوکر جیون خان کے پاس میرے پیچھے ذرا بائیں طرف کو بیٹھا ہے اس پر وہ آہستہ سے کہتی ہے کہ میں چاہتی ہوں کوئی روحانی مقام حاصل کروں اور پھر آہستہ سے پٹواری

کا لفظ بولتی ہے اور پھر وہ کہتی ہے کہ ذرا الگ میری بات سُن لیں۔گویا وہ یہ نہیں چاہتی کہ اس کے ملازم سُن لیں اور مَیں ذرا پرے ہو کر اس کی بات سُنتا ہوں تو وہ کہتی ہے کہ عاشق کو انعام سے کیا تعلق ہے۔اس کا کام تو قربانی کرنا ہے پھر اسے انعام سے کیا واسطہ۔مَیں اسے کہتا ہوں کہ اپنی بات کو ذرا اور واضح کرو۔اس پر وہ سُورۃ الرحمٰن کی کچھ آیات پڑھ کر کہتی ہے کہ مجھے ان پر کچھ شبہ پیدا ہوتا ہے مَیں سمجھتا ہوں کہ اسی لئے اس نے کہا تھا کہ الگ ہو کر بات سُن لیں کہ نا نوکر اسے بے دین نہ سمجھیں حالانکہ یہ کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں۔سورۂ رحمٰن کی ان آیات میں اللہ تعالےٰ کے انعامات کا ذکر ہے۔مَیں رؤیا میں سمجھتا ہوں کہ گو الفاظ عام ہیں مگر یہ انعامات سارے انسانوں کے لئے نہیں بلکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات کے لئے ہیں اور وہ پوچھتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو عاشق تھے انہیں انعام سے کیا واسطہ ہے اس پر مَیں نے اسے ایک مثال کے ذریعہ سے سمجھانا چاہا اور اس سے کہا کہ تم یہ بتاؤ کہ ایک بادشاہ ہے اس پر غنیم حملہ کرتا ہے وہ اپنے ایک وفادار جرنیل کو بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ مَیں تمہیں کمانڈر بنا کر اس غنیم کے مقابل پر بھیجتا ہوں۔اب تم ہی بتاؤ کہ وہ کیا کہے کیا یہ کہے کہ نہیں حضور میں تو خادم اور عاشق ہوں مجھے انعام کی ضرورت نہیں یا یہ کہ بہت اچھا حضور۔اس عورت نے جواب دیا کہ نہیں اسے چاہیئے اس عہدہ کو قبول کرلے۔مَیں کہتا ہوں کہ بس یہی حال یہاں ہے۔یہاں اللہ تعالےٰ نے جو انعام دینا ہے وہ حقیقت میں قربانی ہوتی ہے اس پر اس نے اپنی تسلّی کا اظہار کیا اور میری آنکھ کھُل گئی۔

یہ مضمون حقیقت پر مبنی ہے۔دیکھو جنگ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گرد وہ لوگ کھڑے ہوتے تھے۔جو سب سے زیادہ بہادر سمجھے جاتے تھے۔کیونکہ آپ پر ہی دشمن کے تمام حملوں کا زور ہوتا تھا اور ظاہر ہے کہ آپ پر یہ حملے نبوت کی وجہ سے ہی ہوتے تھے۔گویا نبوّت نے آپ کو بہت بڑی قربانی کے مقام پر کھڑا کر دیا تھا۔تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے جتنے انعام آتے ہیں ان کے ساتھ قربانی کا تقاضا لازمی طور پر ہوتا ہے۔اللہ تعالےٰ نبی سے فرماتا ہے کہ جاؤ ہم نے دنیا تیرے ماتحت کر دی۔مگر پہلے وہ دنیا جو ماتحت کی جاتی ہے پتھر مارتی ہے،گند بکتی ہے،مقدمے چلاتی ہے،دُکھ دیتی ہے اور اس طرح نبوت جو دراصل انعام ہے۔دنیوی نقطۂ نگاہ سے بلا ہو جاتی ہے۔کونسا نبی آیا ہے جسے گالیاں نہ دی گئیں تکالیف اور ایذائیں نہ پہنچائی گئیں۔انبیاء کو تکالیف دینے والوں کا ذہن برائی کے متعلق اتنا تیز ہو جاتا ہے کہ انسان خیال بھی نہیں کرسکتا کہ اتنی گندی گالیاں بھی دی جاسکتی ہیں جو گالیاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دی گئیں اور آپ کو ایذا رسانی کی جو تدابیر اختیار کی گئیں کیا

کوئی بتا سکتا ہے کہ کسی بڑے سے بڑے چور اور ڈاکو کے متعلق اتنی گالیاں سوچی اور بکی گئی ہوں تو انبیاء کے دشمنوں کا دماغ گند کی ایجادمیں کمال کو پہنچ جاتا ہے اور اس طرح نبوت ایک رنگ میں انعام اور ایک رنگ میں ابتلاء ہوجاتی ہے۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ساری عمر قربانی میں گزار دی۔ مگر جب بادشاہت کا وقت آیا تو حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ آگئے مگر ان کے زمانہ میں بھی خطرات ابھی باقی تھے اور انہوں نے کوئی ذاتی لذت بادشاہت سے نہیں اُٹھائی۔ ان کے بعد بنوامیہ اور بنوعباس آگئے ان کے زمانہ میں ساری دنیا فتح ہوئی اور وہ امیرالمؤمنین بن گئے۔ یہ سب انعام نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قربانیوں کے صلہ میں ملے۔ تو نبی اور خلفاء تو دُکھ ہی اٹھاتے ہیں مگر بعد میں آنیوالوں کو انعام ملتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو حالت تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عرب میں چکی نہ ہوتی تھی اور پتھر پہ کوٹ کر غلّہ کا آٹا بنالیا جاتا جو بہت موٹا ہوتا تھا۔ بعد میں جب ایران فتح ہوا تو وہاں سے چکیاں آئیں۔ اور عرب میں بھی باریک آٹا ملنے لگا۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے سامنے باریک آٹے کے نرم نرم پھلکے رکھے گئے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ آپ کی ایک سہیلی نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ان پھلکوں کا ہر لقمہ میرے گلے میں پھنستا ہے۔ اس نے کہا یہ تو نرم ہیں۔ آپ نے کہا کہ میرے دل میں خیال آرہا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں یہ ہوتے تو آپؐ کو بھی کھلاتے۔ تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں یہ حالت تھی کہ کھانے کو موٹا آٹا ملتا تھا مگر آپ کے طفیل ہزاروں بادشاہ پیدا ہوئے۔

پس نبوت بے شک انعام ہے مگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری عمر قربانی ہی کرتے رہے۔ یہی حالت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہم دیکھتے ہیں۔ آپ کی ساری عمر اسی طرح گذری کہ کہیں پتھر ہیں، کہیں گالیاں ہیں کہیں مقدمے دائر کئے جارہے ہیں۔ کہیں شورشیں بپا کی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ جس وقت آپ کی وفات ہوئی اس وقت بھی جبکہ ہمارے دل زخمی تھے اور دنیا ہماری آنکھوں میں تیرہ و تار تھی۔ ہزاروں لوگ مغلظ گالیاں بک رہے اور پتھر مار رہے تھے۔ حالانکہ کسی بڑے سے بڑے چور اور بدمعاش کی وفات پر بھی یہ سلوک کبھی نہیں ہوا ہوگا۔ ہمارے متعلق کہا جاتا ہے کہ ہم نے اپنی حکومت بنا رکھی ہے لیکن کیا حکومت ایسی ہی ہوتی ہے؟ ان لوگوں میں سے کوئی ایسا شریف آدمی نہ تھا جو انہیں بتا سکتا کہ مرنے والے سے محبت کرنے والے لوگ اندر بیٹھے رو رہے ہیں۔ تم لوگ خدا تعالے کا خوف کرو اور ان کے دل نہ دکھاؤ۔ پھر آپ کے بعد بھی یہی حال ہے۔ بے شک اللہ تعالے نے

دنیا کو ہمارا غلام بنا دیا ہے مگر یہ بعد والے دیکھیں گے۔ وہ زمانہ آنے والا ہے جب وہ لوگ تختوں پر بیٹھے ہوں گے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام آتے ہی مؤدب کھڑے ہو جایا کریں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کے آگے آجکل کے بڑے بڑے لوگوں کی اولادیں جوتیاں رکھنا باعثِ فخر سمجھیں گی۔ مگر ہم نے کیا لیا سوائے گالیوں اور پتھروں کے۔ ہماری زندگیاں اسی میں گذریں گی اور بادشاہتیں انہیں ملیں گی جو ان گالیوں کی لذت سے آشنا نہ ہوں گے ہمارے لئے مقدر بھی یہی ہے اور ہم چاہتے بھی یہی ہیں۔ ہاں اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہمیں خود بخود کچھ مل جائے تو اور بات ہے۔ مگر ہم چاہتے یہی ہیں کہ ہماری عمریں مخالفتیں اٹھانے اور گالیاں کھانے میں ہی گذریں۔ کیونکہ ان میں جو لذت اور سرور ہے وہ بادشاہتوں میں نہیں۔ یہی وہ انعام ہے جو انبیاء اور رسولوں کو ملا اور یہی ہم اپنے لئے چاہتے ہیں۔ یہی وہ عید ہے جو آج منائی جا رہی ہے۔ بقرعید نبیوں کے زمانہ کی عید ہوا کرتی ہے اور چھوٹی عید نبیوں کے بعد کے زمانہ کی۔ چھوٹی عید کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب بھوک کا زمانہ گذر گیا۔ لیکن اس عید کا مطلب یہ ہے کہ آؤ قربانی کریں۔ اس لئے یہ عید انبیاء اور ان کے خلفاء کے زمانہ کی عید ہے اور چھوٹی عید انبیاء کے بعد کے زمانہ کی ہوتی ہے۔ بڑی عید یہی ہے جو قربانیوں اور تکالیف کی ہے، وہ چھوٹی ہے جس میں بادشاہتیں اور حکومتیں ملتی ہیں۔ خدا کے انعام نام ہیں قربانی کا۔ ہمارے لئے تختِ حکومت سُولی کا تختہ ہے۔ وہی ہماری حکومت ہے اور وہ تمام تکالیف جو ہمیں دی جاتی ہیں انہیں میں ہمارے لئے فخر ہے۔ ہم اگر اس کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں تو اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے کرتے ہیں۔ اگر ہم مخالفوں سے کہتے ہیں کہ گالیاں مت دو تو اس لئے کہ ان کے اخلاق نہ بگڑ جائیں۔ اور اگر حکومت کو متوجہ کرتے ہیں تو اس لئے کہ حکومت خدا کی نظروں میں مغضوب ہو کر تباہ نہ ہو جائے ورنہ ہم تو لذت اسی میں محسوس کرتے ہیں اور مومن کی عید اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ جن لوگوں نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں جانیں دیں انہوں نے عید نہیں دیکھی۔ آج وہ سامنے نہیں ہیں ورنہ تم دیکھتے کہ ان کے چہروں پر ایسے آثار ہوتے تھے جو ظاہری عید منانے والوں کے چہروں پر ہو ہی نہیں سکتے۔ جو جان دے دیتا تھا وہ یہی سمجھتا تھا کہ میری عید آگئی۔ اسی لئے انہیں شہید کہا گیا ہے کہ وہ عید کا چاند دیکھتے ہوئے مرے۔ ہر مومن جو دین کے لئے فدا ہوتا ہے، وہ عید دیکھتا ہے یہی عید اضحیہ ہوتی ہے یہی انبیاء کے زمانہ کا نشان ہے، اور اسی کے لئے ہمیں پیدا کیا گیا ہے۔

پس آؤ ہم اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کریں اور اس کے نام کو بلند کریں کہ اس نے ہمیں

اس عید کی توفیق دی جو سب سے بڑی عید ہے اگر اللہ تعالیٰ کے فرشتے آسمان سے اُترتے اور بادشاہوں کو تختوں سے اُتار کر ہمیں ان کی جگہ بٹھا دیتے تو ان گالیوں کے مقابلہ میں ہمارے لئے وہ چیز بالکل حقیر ہوتی۔ جن شہداء نے افغانستان میں جانیں دیں ان کی عزت چین جاپان اور افغانستان وغیرہ کے بادشاہوں سے بہت زیادہ ہے۔ اور دنیا کی ہزاروں سال کی بادشاہتیں ان کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ آئندہ احمدی بادشاہ جو دنیا کو فتح کریں گے ان کی حیثیت ان شہداء کے مقابلہ میں وہی ہوگی جو پہلوان کے مقابلہ میں بچہ کی ہوتی ہے۔ یہ قربانیاں کرنے والے خدا تعالیٰ کے دائیں ہاتھ پر تخت پر بیٹھے ہوں گے اور بادشاہتیں کرنے والے مؤدب سامنے کھڑے ہوں گے۔

پس بڑے وہی ہیں جن کو بڑی قربانیاں کرنے کی توفیق ملی۔ چند روزہ زندگی کیا ہے؟ اصل زندگی وہی ہے جو آئندہ شروع ہوتی ہے اور وہی ہمیشہ کی زندگی ہوتی ہے اس لئے حقیقی عید وہی ہے جس میں سے ہم گذر رہے ہیں اور یہ عید محض کسی قربانی سے نہیں ملتی، اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہے۔ نبیوں کا زمانہ پانا انسان کے اپنے اختیار میں نہیں اور لوگوں کے مانگنے سے نہیں مل سکتا۔ غور کرو اگر تم آج سے پچاس سال بعد پیدا ہوتے تو کس طرح یہ نعمت پا سکتے یا اگر ساٹھ سال پہلے مرجاتے تو ان نعمتوں سے محروم رہ جاتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہمیں اس زمانہ میں پیدا کیا اور پھر عید منانے کی توفیق دی۔ اس کے بدلہ میں وہ کہتا ہے کہ جاؤ دنیا میں پھیل جاؤ اور جدھر جاؤ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد کہو۔ خدا کے نام کو بلند کرو، اس کی حمد کرو اور گم گشتہ راہ لوگوں کو اس کے حضور حاضر کرو تا وہ بھی اس نعمت سے حصہ پائیں۔ پس قدر کرو ان ابتلاؤں کی اور تکالیف کی جو تم پر آتی ہیں کیونکہ ہر ایک قربانی اور ابتلاء تمہارے درجہ کو بڑھاتا اور تمہیں خدا کے قریب کرتا ہے۔ یہ دکھ اور تکالیف تمہیں مایوس نہ کریں کیونکہ عید کے دن کوئی مایوس نہیں ہُوا کرتا۔ عید خوشی کا نام ہے جن لوگوں کو اپنی قوم سے محبت ہوتی ہے وہ کبھی قربانیوں پر رنج نہیں کیا کرتے۔ مَیں نے کسی جگہ پڑھا ہے کہ فرانس اور جرمنی کے جنگ کے ایام میں ایک جرمن بڑھیا کا ایک ہی بیٹا تھا۔ اس بڑھیا کی عمر اسّی برس کے قریب تھی۔ اس کا لڑکا مارا گیا اور وزیر جنگ نے حکم دیا کہ ایک بڑا افسر اس کو بلا کر یہ خبر سنائے اور اس کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کرے۔ لکھا ہے کہ جب وہ بڑھیا یہ خبر سن کر دفتر جنگ سے باہر نکلی تو اس کی خمیدہ کمر غم کے مارے اور بھی ٹیڑھی ہوئی جاتی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو پھوٹ پھوٹ کر نکلنا چاہتے تھے مگر وہ جبر کر کے قہقہہ مارتی اور ہاتھ سے کمر کو سیدھا کر کے اونچی ہوتی تھی اور فخر سے کہتی تھی کہ کیا ہُوا

تیرا بچہ آخر ملک کے لئے ہی قربان ہوا ہے۔ غور کرو دنیا داروں کے لحاظ سے یہ کتنی بڑی قربانی ہے اس کی کمر ٹیڑھی تھی مگر وہ ہاتھ کا سہارا دیکر اسے سیدھا کرتی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے مگر وہ مصنوعی قہقہہ لگاتی تھی۔ اور کیا تم خیال کرتے ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لایا ہوا پیغام اتنی بھی قیمت نہیں رکھتا اور اس کی اتنی بھی قدر نہیں جتنی اس بڑھیا کو جرمنی کی تھی۔ اگر واقعہ میں ہمارے جذبات اس عورت سے بھی کم ہیں تو ہم سے زیادہ ذلیل دنیا میں کوئی نہیں اور جتنی گالیاں ہمیں دی جارہی ہیں۔ ان سے ہزاروں گنا زیادہ کے ہم مستحق ہیں۔ اور اس قابل ہیں کہ کتوں سے پھڑوا دیئے جائیں اور درندے ہمیں کھاجائیں آسمان و زمین کا خدا اپنے سپاہیوں میں ہمیں بھرتی کرتا ہے اور مسیح موعودؑ کی جماعت میں جس کی تمام انبیاء خبر دیتے آئے ہیں ہمیں شامل ہونے کی توفیق عطا کرتا ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ لڑائی میں زخم کیوں آئے۔ ہر شخص جو احمدی ہوا۔ اقرار کرتا ہے کہ وہ خدا کے لئے اپنی جان دینے کے لئے نکلتا ہے۔ اور اگر اس کے دل کے کسی گوشہ میں بھی کسی انسان کا ڈر ہے تو وہ دنیا کا ذلیل ترین انسان ہے اسے تو چاہیئے کہ ہر وقت سر ہتھیلی پر رکھ کر تیار رہے اور ہر قربانی جو اسے کرنی پڑے اس کے بعد مایوس نہ ہو بلکہ اس کے اندر نئی امنگ اور نیا جوش ہو کیونکہ ہماری تو عید ہی قربانی ہے۔ پس اے دوستو! لوگوں کے لئے تو سال میں ایک عید ہوتی ہے لیکن تمہارے لئے سال میں تین سو ساٹھ عیدیں ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت میں داخل ہو کر تمہارے لئے ہر روز عید ہے۔ پس خوش ہو جاؤ کہ اللہ تعالےٰ نے تمہیں قربانی کے لئے چنا ہے اس لئے ان مصیبتوں تکلیفوں اذیتوں اور آفات کی قدر کرو کہ یہ رتبہ بڑھانے والی چیزیں ہیں۔

خطبہ ثانیہ میں فرمایا:۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ ہمیں ان دنوں کی قدر کرنے کی سمجھ عطا فرمائے کیونکہ علم کے بغیر بھی کچھ نہیں ہوتا جو اس نکتہ کو نہیں سمجھ سکتے کہ جن مصیبتوں سے ہم گذر رہے ہیں یہ دراصل ہمارے لئے عید ہے۔ ان کے دماغ روشن کرے تا وہ سمجھ سکیں کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں عزت کے کس مقام پر کھڑا کیا ہے۔ آج ہمیں جو قربانیاں کرنی پڑتی ہیں وہ دراصل انعام ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے جن قربانیوں کا مطالبہ ہو وہ انعام ہی ہوتی ہیں۔ جیسے کوئی شخص دیکھے کہ بیٹے کو ذبح کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بکرا ذبح کرے گا۔ اور جو دیکھے کہ بکرا ذبح کیا ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا بیٹا مرجائے گا۔ کاش دوست سمجھ لیں کہ ہر قربانی جو ہم سے کرائی جاتی ہے وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے محبت اور پیار کا اظہار ہے۔

اس موقع پر مَیں پھر اعلان کرتا ہوں کہ سب دوست جوان مشکلات کو دُور کرنا چاہتے ہیں اس لئے نہیں کہ ہم ان سے ڈرتے ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ دین کی اشاعت میں روک پیدا کر رہی ہیں وہ آئندہ سات مقتول تک ہر جمعرات کو روزہ رکھیں تا اللہ تعالےٰ ان مشکلات کے اس حصّہ کو جو دین کی اشاعت کے رستہ میں روک ہے خواہ وہ افسروں کی طرف سے ہے یا رعایا کی طرف سے دُور کر دے جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے یہ دعا بکثرت پڑھنی چاہیئے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ ؕ اے اللہ! جو ہم پر حملہ کرے تا سلسلہ کو نقصان پہنچائے خواہ افسروں میں سے ہو یا رعایا میں سے تُو اس کے مقابل پر ہماری طرف سے تلوار چلا اور ہمیں ان کے شرور سے محفوظ رکھ۔

یہ مت سمجھو کہ یہ کوئی معمولی سی دعا ہے اور تم بغیر ہتھیاروں کے ہو۔ یہ دعا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سکھائی ہے کہ جب کوئی قوم تم پر حملہ آور ہو تو یہ دعا کرو ؕ خدا اسے تباہ کر دے گا۔ اگر یہ دعا سچے دل سے کروگے تو اس کے ایسے اثرات دیکھو گے جو دنیا کے لئے عبرت کا موجب ہوں گے۔

پھر ایک اور دعا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے سکھائی اور فرمایا کہ یہ اسمِ اعظم ہے جو دنیا کی شرارتوں سے محفوظ رکھتی ہے اور وہ یہ ہے کہ رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِيْ وَانْصُرْنِيْ وَارْحَمْنِيْ ؕ اس کو بھی کثرت سے پڑھو اور اخلاص سے پڑھو کہ یہ بھی اس زمانہ کے آفات سے محفوظ رہنے کے لئے ہے۔ اگر یہ دعائیں پڑھتے رہوگے تو دشمن خواہ افسروں میں سے ہوں یا رعایا میں سے۔ خواہ چھوٹے ہوں خواہ بڑے یا تو ہدایت پا جائیں گے یا پھر اللہ تعالےٰ ان کو ایسی عبرت انگیز سزائیں دے گا کہ وہ محسوس کریں گے کہ ہم نے اس کے بندوں کو دُکھ دے کر اس کے غضب کو اپنے اوپر بھڑکا لیا ہے مَیں نے کبھی کسی کے لئے بد دعا نہیں کی اور نہ ہی اب کرنے کو تیار ہوں۔ مگر اب جو مشکلات دین کی اشاعت کے راستہ میں پیدا ہو رہی ہیں ان کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ضرور کہوں گا کہ خدا کرے یا تو یہ لوگ سمجھ جائیں اور اگر ان کے دلوں پر ازلی شقاوت کی مہر لگ چکی ہے تو اللہ تعالےٰ ان کے ہاتھوں کو پکڑے تا دنیا کو معلوم ہو جائے کہ خدا کے سلسلہ پر ہاتھ اٹھانا خود خدا پر ہاتھ اُٹھانا ہے۔"

(الفضل ۴ر اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ تا ۶)

۱ - حضرت کبیرالدین شاہ دولہ دریائی گجراتی پنجابی (وفات ۱۰۷۵ھ / ۱۶۶۴ء) ان کے متعلق تذکرۂ اولیائے ہند جلد ۳ ص ۴۹۱-۴۹۲ پر لکھا ہے کہ جب کسی شخص کے ہاں بیٹا پیدا ہونے کی دعا کرتے تو اس سے یہ اقرار لے لیتے کہ پہلا لڑکا میری نذر کیا جائیگا اور اسکی چند علامات ہوں گی - مثلاً کوتاہ سر۔ گنگ اور مسلوب الحواس - چنانچہ اس طرح کے سینکڑوں لڑکے دولہ شاہی چوہے مشہور ہو گئے۔"

۲ - انسائیکلو پیڈیا برٹینکا جلد ۱ ص ۲۷۲ زیر لفظ AFRICA

۳ - RATTIGAN مشہور عیسائی وکیل تھا جس نے قانون کے موضوع پر کئی کتابیں بھی لکھی ہیں -

۴ - ابراہیم ۱۴: ۳۶ تا ۳۸

۵ - مہاراجہ کشمیر جس نے انگریزی عہدنامہ کے مطابق ۱۸۴۶ء میں جموں اور کشمیر میں ڈوگرہ راج کی بنیاد رکھی تھی۔ ۲۰ اگست ۱۸۵۷ء کو اس کی وفات پر اس کا بیٹا جانشین ہوا۔

۶ - مہاراجہ گلاب سنگھ کا جانشین تھا ایک ربع صدی سے زائد عرصہ تک حکومت کی۔ ۱۸۸۵ء میں فوت ہوا - اس کے عہد حکومت میں مسلمانوں کو اذان دینے کی ممانعت کردی گئی تھی۔

۷ -

۸ - الحجرات ۴۹ : ۱۸

۹ - آل عمران ۳ : ۱۶۸

۱۰ - حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۳۳۴ھ ہجری)

۱۱ - حضرت ابوالقاسم جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۲۹۷ھ ہجری)

۱۲ - نیا تذکرۃ الاولیاء مؤلفہ رئیس احمد جعفری ص ۳۵ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۵ء

۱۳ - حضرت حسین منصور حلاجؒ (شہادت ۳۰۹ھ) مشہور اہل اللہ بزرگ تھے جنہیں عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کے زمانہ میں علماء کے فتویٰ کی بناء پر سنگسار کر دیا گیا تھا۔

۱۴ - تذکرۃ الاولیاء ص ۲۶۴ ناشر ملک چنن دین تاجر کتب کشمیری بازار لاہور مطبوعہ بندے ماترم پریس لاہور

۱۵ - حضرت ابودجانہ سماک بن خرشہ کو یہ شرف حاصل ہوا انظر تاریخ طبری جلد ۷ ص ۱۱۵ دارالمعارف مصر شہادت کے وقت دیکھا گیا تو ان کے جسم کے ستر ٹکڑے تھے (اصابہ جلد ۹ ص ۱۱)

۱۶ - کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب جلد ۲ ص ۴۹۵ - ۵۵۹

۱۷ - حضرت معاویہ بن ابوسفیان (م ۶۰ھ) نے ۴۱ھ / ۶۶۱ء میں دمشق کو پایہ تخت بنا کر بنو امیہ کی حکومت قائم کی - جو قریباً ۹۰ سال تک قائم رہی اور بالآخر مروان بن احمد بن مروان کی وفات ۱۳۲ھ / ۷۵۰ء پر ختم ہوگئی۔

۱۸ - عبداللہ السفاح بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس (م ۱۳۶ھ / ۷۵۴ء) نے ۱۳۲ھ / ۷۴۹ء میں بغداد کو دارالحکومت بنا کر بنو عباس کی حکومت کی بنیاد رکھی جو پانسو سال بعد ۶۵۱ھ / ۱۲۵۸ء میں آخری عباسی خلیفہ معتصم

کی تاتاریوں کے ہاتھوں شکست کے ساتھ ختم ہوگئی۔

۱۹؎ ۔جامع ترمذی ابواب الزہد باب معیشۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم واصحابہ۔

۲۰؎ ۔ یہ روایت بعینہٖ انہی الفاظ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان ہوئی ہے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب جلد ۲ صفحہ ۳۹۴)

۲۱؎ ۔ یہ پانچ شہدائے کابل کی طرف اشارہ ہے۔ جن میں پہلے حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب تھے جو ۱۹۰۱ء میں شہید ہوئے (روحانی خزائن (تذکرۃ الشہادتین) صفحہ ۴۷-۴۸ جلد ۲۰) دوسرے حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیف صاحب رضی اللہ عنہ جو ۱۴ جولائی ۱۹۰۳ء کو شہید ہوئے (روحانی خزائن ۔تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۵۹ جلد ۲۰) تیسرے حضرت مولوی نعمت اللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ تھے جن کی تاریخ شہادت ۳۱ اگست ۱۹۲۴ء ہے۔ (الفضل ۱۱ ستمبر ۱۹۲۴ء) چوتھے اور پانچویں شہید مولوی عبدالحلیم صاحب اور قاری نور علی صاحب تھے جن کو ۱۱ رجب ۱۳۴۳ھ کو شہید کیا گیا۔ (الفضل ۱۲ فروری، ۳ مارچ ۱۹۲۵ء)

۲۲؎ ۔

۲۳؎ ۔تفسیر روح البیان مؤلفہ شیخ اسمٰعیل حقی البروسوی جلد ۷ صفحہ ۳۷۷

۲۴؎ ۔تعبیر الرؤیا مصنفہ علامہ امام محمد بن سیرین مترجمہ سید حبیب احمد ہاشمی صفحہ ۱۵۹، ۱۶۰

۲۵؎ ۔مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۴۱۴-۴۱۵

۲۶؎ ۔سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب مایقول الرجل اذا خاف قومًا۔

۲۷؎ ۔ملفوظات جلد ۷ صفحہ ۱۳۵